اقبال کے خطوط

سید عبدالواحد

علامہ اقبال مرحوم کے خطوط کا مطالعہ تین نقطہ ہائے نگاہ سے باعث دلچسپی ہوسکتا ہے۔ اول تو ادبی نقطۂ نگاہ سے اسلئے کہ علامہ جیسے فن کار کا تحریر کردہ ہر لفظ ایک ادبی و معنوی اہمیت کا حامل ہے۔ دوسرا نقطۂ نگاہ ان خطوط کی دلچسپی کا اس لحاظ سے ہے کہ ان کا مطالعہ علامہ مرحوم کے کلام اور فلسفہ کی تفہیم میں بیش بہا مدد بہم پہنچا سکتا ہے۔ تیسرا دلچسپی کا سبب یہ ہے کہ ان خطوط کے مطالعہ سے علامہ مرحوم کی دلچسپ اور ہمہ گیر شخصیت پر ایک بصیرت افزا روشنی پڑتی ہے۔

ادبی نقطۂ نگاہ سے علامہ کے خطوط میں نہ تو غالب کے خطوط کی شگفتگی ہے نہ سلاست زبان ہے، نہ غالب کی بذلہ سنجی اور ظرافت ہے۔ جن لوگوں کو علامہ مرحوم کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے ان کو بخوبی معلوم ہے کہ علامہ کی طبیعت میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ معمولی سے معمولی بات کو بھی وہ اپنے خاص ظریفانہ انداز میں بیان کیا کرتے تھے۔ لہذا ان کے خطوط میں اس شگفتگی اور بذلہ سنجی کا فقدان جو غالب کے خطوط میں پائی جاتی ہیں ذرا محل تعجب ضرور ہے، مگر جو خطوط ابھی تک شائع ہوئے ہیں چونکہ وہ خاص فلسفیانہ نکات کی تشریح کی غرض سے یا اور ایسے ہی علمی مباحث کی توضیحات کے متعلق لکھے گئے تھے۔ اسلئے ان خطوط میں انداز تحریر کی شگفتگی اور ظرافت کی عدم موجودگی اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ علامہ مرحوم کے غیر شائع شدہ خطوط میں بھی یہ خصوصیتیں نہیں ہیں۔ پھر بھی علامہ کے خطوط میں اس طرز کی ظرافت کا جو خطوط غالب کی جان ہے امید رکھنا عبث ہے۔ چونکہ رقعات غالب کی بذلہ سنجی اور ظرافت کی مثالیں تو دنیا کے کسی ادب میں بھی بڑی مشکل سے ملینگی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علامہ مرحوم کے شائع شدہ خطوط میں ظرافت بالکل نہیں ہے۔ علامہ کے خطوط ظریفانہ فقرات سے بھرے ہیں لیکن یہ ظرافت ایک خاص قسم کی اور عالمانہ انداز کی ہے مثلاً مہاراجہ کشن پرشاد کو ایک خط میں لکھا ہے:—

"یہاں بارش نہیں ہوتی ہے۔ لاہور آتشکدۂ آذر بن رہا ہے مگر اس آتشکدہ کا مصنف لطف اللہ نہیں قہر اللہ ہے"۔

مگر غالب کی شگفتگی اور سلاست زبان کے فقدان کے باوجود علامہ کے مکاتیب میں ایک برجستگی ہے جس سے تحریر میں ایک جان پڑ جاتی ہے۔ اس برجستگی کا سبب دراصل علامہ کا اخلاص ہے جو ان کی جملہ تحریرات نظم و نثر کا ایک نمایاں عنصر ہے۔ جس مضمون پر علامہ قلم اٹھاتے ہیں جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے وہ بے کم و کاست بغیر کسی تصنع کے سپرد قلم کر دیتے ہیں۔ مکتوب الیہ یا قارئین کے پاس خاطر کے خیال سے وہ کبھی تصنع پر نہیں اترتے۔ علامہ کے خطوط کی دوسری خصوصیت بلاغت زبان ہے اس بلاغت کی وجہ دراصل علامہ کا تبحر علمی ہے جو بات علامہ کو کہنی ہوتی ہے وہ تھوڑے الفاظ میں بیان کردیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس بات پر وہ لکھنے بیٹھتے ہیں اس پر اتنا مواد ان کے دماغ اور ذہن میں ہوتا ہے کہ اگر الفاظ کے استعمال میں کفایت شعاری نہ برتیں تو ہر مضمون کے دفتر کے دفتر بن جائیں۔ ایسے کلام کو علمائے بلاغت ایجاز سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً ایک خط میں مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں :—

> "سیرت عایشہ رض کے لئے سراپا سپاس ہوں، یہ ہدیہ سلیمانی نہیں سرمہ سلیمانی ہے، اس کتاب کو پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا،،۔

خطوط کی تیسری خصوصیت علامہ کا وہ خاص ملکہ ہے جس کی وجہ سے وہ دقیق سے دقیق مسائل کو عام فہم زبان میں چند الفاظ میں بیان کردیتے ہیں۔ مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں :—

> "بہرحال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکام الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے اور بعض نے اسکا نام بقا رکھا ہے،،۔

اردو زبان میں گزشتہ پچاس سال میں اکابر کے خطوط کا قابل قدر

ذخیرہ جمع ہوگیا ہے مگر اس مجموعہ کے باوجود یہ کہنا پڑیگا کہ ابھی اردو ادب میں خطوط کا موجودہ ذخیرہ اس کے شایان شان نہیں ہے۔ اقبال کے خطوط ایسی ادبی خصوصیات کے حامل ہیں کہ یہ دنیا کی جس زبان میں ہوتے ایک اعلی ادبی پایہ کے مستحق قرار دئے جاتے۔ لہذا ناچیز کی یہ رائے ہے کہ اقبال کے خطوط کو اردو ادب کا ہر نقاد ایک ممتاز درجہ دیگا۔ یہ درجہ کس نوع کا ہوگا اس کا تعین مستقبل ہی کرسکتا ہے۔ اس بارے میں سردست رائے زنی کرنا بے سود ہے۔

متعلمین اقبال کے لئے علامہ کے شائع شدہ خطوط کی بڑی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ ان خطوط سے ان کے کلام اور فلسفے کے بعض حل طلب اور غیر واضح پہلوؤں پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر مولانا ظفر احمد صدیقی کے موسومہ خط میں علامہ فرماتے ہیں :—

"شاہین کی تشبیہہ محض شاعرانہ تشبیہہ نہیں ہے، اس جانور میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں، خود دار اور غیرت مند ہے، اور کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا۔ بلند پرواز ہے، خلوت پسند ہے، تیز نگاہ ہے"۔

حکیم محمد حسین صاحب عرشی کے موسومہ خط مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء میں علامہ لکھتے ہیں :—

"قرشی سے مراد حضور رسالت مآب ہیں۔ بخاری سے مراد بوعلی سینا ہے"۔

یہ بال جبریل میں "ایک فلسفہ زدہ سید زادے سے خطاب" کی نظم کے آخری شعر کی تشریح ہے۔

چوں دیدہ راہ بیں نداری   قائد قرشی بہ از بخاری

خواجہ غلام السیدین کے نام ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو لکھتے ہیں :—

"سوشیل ازم کے معترف ہر جگہ روحانیات اور مذہب کے مخالف ہیں۔ اور ان کو افیون تصور کرتے ہیں۔ لفظ

افیون اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادی تعبیر سراسر غلط ہے۔ روحانیت کا میں قائل ہوں مگر روحانیت کے قرآنی مفہوم کا۔ جو روحانیت میرے نزدیک مغضب ہے، یعنی افیونی خواص رکھتی ہے اس کی تردید میں نے جابجا کی ہے۔ باقی رہا سوشیلزم سو اسلام خود ایک قسم کا سوشیلزم ہے،،۔

ان چند مثالوں سے واضح ہو جائیگا کہ ہر متعلم اقبال کے لئے ان خطوط میں ایک نہایت ہی بیش بہا اور قابل قدر مواد موجود ہے۔

ان خطوط کے مجموعوں کی دلچسپی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان سے اس عظیم المرتبت انسان کی نہایت دلچسپ اور ہمہ گیر شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ ہر انسان کے خطوط (خصوصاً ایسے خطوط جو انگریزی کے مشہور شاعر پوپ کی طرح اس غرض سے نہ لکھے گئے ہوں کہ وہ کبھی شائع کئے جائینگے) اس انسان کی شخصیت پر ایک ایسی روشنی ڈالتے ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے میسر نہیں آسکتی۔ اکابر کے خطوط میں عموماً انسان ہمیشہ دلچسپی لیتا رہا ہے گو کہ ادبی اور فنی اعتبار سے یہ خطوط کتنے ہی ادنیٰ درجہ کے کیوں نہ ہوں۔ اس دلچسپی کا سبب یہ ہے کہ ان خطوط کے آئینوں میں ان اکابر و مشاہیر کی شخصیتیں اپنے اصلی خد و خال میں نظر آتی ہیں۔ دوسری تصنیفات میں یہ مشاہیر و اکابر ہر لفظ کو سپرد قلم کرتے وقت یہ امر پیش نظر رکھتے ہیں کہ ان کی تصانیف عوام کے مطالعہ میں آئینگی لیکن خطوط میں یہ صورت نہیں ہوتی۔ چونکہ دنیا کے کسی بڑے آدمی کی شخصیت کو سمجھے بغیر اس کے کام کی ماہیت اور اہمیت کا اندازہ کرنا نہایت دشوار ہے، اس لحاظ سے ہم خوش قسمت ہیں کہ اقبال کے خطوط کے مجموعے ہمارے سامنے موجود ہیں جن سے اس بزرگ انسان کی شخصیت پر اس قدر بیش بہا روشنی پڑ رہی ہے۔ جب ہم علامہ مرحوم کو اس روشنی میں دیکھتے ہیں تو جن خصوصیات سے ہمارا ذہن اثر پذیر ہوتا اور جو نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

علامہ مرحوم کی اول خصوصیت ان کی شرافت ہے۔ علامہ مرحوم

کا زندگی بھر یہ دستور رہا کہ ہر شخص کے خط کا، خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ضرور اپنے قلم سے فوری جواب دیتے تھے ۔ ایک مشغول بیرسٹر کے لئے جس کے فرصت کے لمحات مطالعہ کتب اور بہ حیثیت مفکر و محقق عقدہ کشائی اور فکر و شعر و سخن کے لئے وقف تھے یہ امر نہایت دشوار ہوگا ۔ مگر اس شریف النفس انسان کا عمر بھر یہ دستور رہا ۔

دوسری خصوصیت جو ان خطوط کے مطالعہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ علامہ کی کسر نفسی ہے ۔ علامہ ہر شخص کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں جیسا کہ مکتوب الیہ انکے برابر ہی نہیں، بلکہ ان سے علم میں کہیں زیادہ ہے ۔ مولانا سلیمان ندوی کے نام جو خطوط ہیں ان میں تو علامہ کی طرز تحریر ایک شاگردانہ انداز لئے ہوئے ہے ۔ جب میں نے مولانا ممدوح سے ایک بار اس کا تذکرہ کیا تو مولانا نے فرمایا کہ ان خطوط کی طرز تحریر سے میری علمی عظمت کا انکشاف نہیں ہوتا بلکہ علامہ موصوف کی کسر نفسی کا اظہار ہوتا ہے ۔ خطوط میں اس قسم کی صدہا مثالیں ملتی ہیں جن سے علامہ مرحوم کی کسر نفسی اور فروتنی ظاہر ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بڑے آدمیوں کی یہی پہچان ہے ۔

تیسری خصوصیت علامہ مرحوم کی وہ طالب علمانہ جستجو ہے جو عمر بھر ان کا شعار رہی ۔ مولانا سلیمان ندوی کے نام ۲۰ اگست ۱۹۲۲ء کے خط میں لکھتے ہیں :—

> '' مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ تحقیق زماں مطبوعہ ہے یا قلمی ۔ اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریتاً ملیگا ۔ علیٰ ھذا القیاس مولانا اسماعیل شہید کی عبقات قاضی محب اللہ کی جواہر الفرد اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہونگی ؟ ''

دوسری جگہ لکھا ہے :—

> '' فی الحال میں مولوی نورالحق صاحب کی مدد سے مباحث مشرقیہ دیکھ رہا ہوں ۔ اس کے بعد شرح مواقف دیکھنے کا قصد ہے '' ۔

۲۰ اگست ۱۹۳۰ء کے خط میں لکھتے ہیں :—

" میں بھی یہاں حمیدیہ لائبریری اور بعض پرائیویٹ احباب سے کتابیں منگوا کر دیکھتا رہا۔ الحمد اللہ کہ بہت سی باتیں مل گئیں۔ اس مطالعہ سے مجھے بے انتہا فائدہ ہوا اور آپ کے خط نے تو اور بھی راہیں کھول دی ہیں"۔

۹ دسمبر ۱۹۲۳ء کے خط میں لکھتے ہیں :-

" مولوی نور الاسلام کے رسالہ فی تحقیق المکان کی نقل رام پور کے کتب خانہ سے آ گئی ہے"۔

الغرض ان چند اقتباسات سے یہ ظاہر ہے کہ علامہ مرحوم نے تمام عمر بطور ایک طالب علم کے بسر کی۔ باوجود اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے علامہ اپنا بیشتر وقت تحقیق اور تجسس اور کتب بینی میں صرف کرتے تھے چنانچہ یکم فروری ۱۹۲۴ء کے خط میں لکھتے ہیں :—

" مسلمانوں نے منطق استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے اور جو جو اضافے انہوں نے یونانیوں کی منطق پر کئے ہیں اسکے متعلق میں کچھ تحقیق کر رہا ہوں"۔

اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ انسان شعر و سخن کے علاوہ صرف قانون کے عقدے اور سیاست کی گتھیاں سلجھانے ہی میں نہیں لگا رہتا تھا بلکہ ہر طرح کی تحقیق اور تدقیق بھی کرتا رہتا تھا۔ علامہ کی مشغول زندگی میں ہمارے نوجوانوں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے۔

چوتھی خصوصیت علامہ کی دیانتداری اور پاکی نفس ہے۔ ایک خط میں مولانا سلیمان ندوی سے دریافت کرتے ہیں کہ :—

" کیا ایک وکیل اور بیرسٹر کے لئے مقررہ فیس کے علاوہ موکل سے کوئی اور تحفہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟"

اللہ اللہ دیانتداری کی ایسی مثال ہمارے اس روشن اور مہذب زمانہ میں مشکل سے ملیگی۔

پانچویں خصوصیت علامہ کی اخلاقی جرأت ہے۔ سامعین کو یاد ہوگا

کہ جب علامہ کو سرکار کی طرف سے خطاب ملا تو بہت سی چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور لوگوں کو اندیشہ ہونے لگا کہ خطاب منظور کرنے کے بعد علامہ اس جرأت اور بیباکی سے نہ لکھ سکیں گے جیسا کہ خطاب ملنے سے قبل لکھتے تھے۔ اس بارے میں ۳ جنوری ۱۹۲۲ء کو ایک خط مولوی غلام بھیک نیرنگ کے نام لکھا ہے جس سے علامہ کی حق گوئی و بیباکی، راست بازی و بلند کرداری اور ایقان و ایمان کامل کا اظہار ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ دنیوی اعزاز کی اس ظاہری شوکت کو علامہ احساس سے فرو تر تصور فرماتے ہیں۔

> "میں آپ کو اس اعزاز کی خود اطلاع دیتا۔ مگر جس دنیا کے میں اور آپ رہنے والے ہیں اس دنیا میں اس قسم کے واقعات احساس سے فرو تر ہیں۔ باقی رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہے سو قسم ہے اس خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی"۔

چھٹی خصوصیت علامہ کی عالی ہمتی ہے۔ اس کی بدولت مشاغل کسب معاش اور مکروہات حیات کی ناخوشگوار الجھنوں کے باوجود علامہ بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے اتنا بڑا گرانمایہ گنج حکمت اور خزینہ جواہر افکار پیش کر سکے۔ چنانچہ ایک خط میں علامہ لکھتے ہیں :—

> "کیا عجب ہے کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں، اسواسطے کہ آرٹ غایت درجہ کی جانکاہی چاہتا ہے، اور یہ بات موجودہ حالات میں میرے لئے ممکن نہیں۔ جرمنی کے دو بڑے شاعر بیرسٹر تھے یعنی گیٹے اور اوھلینڈ۔ گیٹے تھوڑے دن پریکٹس کے بعد ویمر کی ریاست کا تعلیمی مشیر بن گیا اور اسطرح فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کا اسے پورا موقع مل گیا۔ اوھلینڈ تمام عمر مقدمات پر بحث کرتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت تھوڑی

نظمیں لکھ سکا اور وہ کمال پورے طور پر نشو و نما نہ پا سکا جو اس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا،،۔

یہ قوم کی بد قسمتی تھی کہ وہ علامہ مرحوم کے لئے ایسے اسباب مہیا نہ کرسکی کہ علامہ مکروہات حیات سے مطمئین ہو کر فارغ البالی اور سکون قلب کے ساتھ اپنی زندگی آرٹ کے لئے وقف کردیتے۔

الغرض علامہ مرحوم کے خطوط گوناگوں دلچسپیوں کے حامل ہیں۔ غیر شائع شدہ خطوط کی ترتیب اور اشاعت قوم اور ملک پر ایک بڑا احسان ہوگا۔

فی الحال اس امر کی ضرورت ہے کہ جن اصحاب کے پاس علامہ کے خطوط ہوں ان کو ایک قومی امانت جان کر محفوظ رکھیں۔ یا اقبال اکیڈیمی جیسے ادارہ میں محفوظ کرادیں۔